ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.7,Issue No.2 (2025)
(April to June)

اُردو کلاسیکی شاعری اور خمریات

Urdu Classical Poetry and Wine Imagery (Khamriyat)

محمد عثمان ارشد

پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد عارف

ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، عبادت انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

Muhammad Usman Arshad

Ph.D Scholar, Department of Urdu, Ibadat International University, Islamabad

Dr. Muhammad Arif

Associate Professor, Department of Urdu, Ibadat International University, Islamabad

Abstract:

In its early period, Urdu poetry remained confined to formal and social themes, and the ghazal was initially used merely to speak about women or to express romantic emotions. Later, however, its themes grew more diverse, and it came to encompass not only the beloved's appearance, mannerisms, and physical beauty, but also a wide range of human experiences. As poetry continued to flourish, religion and love gradually assumed central significance within it. In Urdu poetry, the themes of beauty, color, and love have always remained especially favored. Khamriyat Wine imagery has been a part of poetry since the classical era. In the works of Urdu poets, khamriyat (wine imagery) forms a highly important and richly varied chapter. Every poet has employed "wine, the cupbearer, the tavern, libertinism, ecstasy, and the goblet" in different ways to express personal emotions, philosophy, spirituality, and social experience**.** From Mīr to Iqbal, every classical poet has presented various aspects of wine imagery in his own unique style.

Keywords: Wine imagery, Classical era**,** Romantic Emotions, Beloved's appearance, Mannerisms, physical beauty, the Cupbearer, the Tavern, Libertinism

اُردو شاعری اپنے ابتدائی دور میں رسمی اور معاشرتی موضوعات کے گھیرے میں رہی اور اُردو غزل کو ابتدا میں محض عورتوں سے متعلق باتیں کرنے یا عشقیہ جذبات کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا تھا بعد ازاں اس کے موضوعات میں تنوع آتا گیا اور اس میں نہ صرف محبوب کے سراپا، ناز و انداز اور حسنِ جسمانی کو بیان کیا جاتا بلکہ یہ زندگی کے کئی تجربات کو اپنے اندر سمیٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اُردو شاعری نے اپنے انداز اور لہجے کو ہندوی اثرات کے گھیرے سے آزاد کر کے فارسی اثرات کے زیرِ سایہ ڈھانپ لیا۔ اُردو شاعری کی ابتدا میں شاعری کو صرف ادب کے مخصوص موضوعات تک محدود رکھا گیا تھا لیکن بعد ازاں ان موضوعات کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور ہر چھوٹی، بڑی، اہم اور غیر اہم بات کو شاعری کا موضوع بنایا گیا۔ جوں جوں شاعری پروان چڑھتی گئی اس میں مذہب اور عشق کو مرکزی

حیثیت حاصل ہوتی رہی۔ اُردو شاعری میں رنگ و جمال اور عشق ایک پسندیدہ موضوع رہا ہے۔ قلی قطب شاہ پہلا صاحب دیوان شاعر تھا جس کی شاعری کا پسندیدہ موضوع عشق تھا اس کی شاعری میں رندی و سرمستی خالصتاً ایرانی مزاج کی تھی۔ اُردو شاعری میں خمریات کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔ اُردو شاعری میں **خمریات** سے مراد شراب، میخانہ، ساغر، مئے، مئے خانہ، ساقی، جام اور ان سے متعلق کیفیات پر مبنی شاعری ہے۔ یہ اُردو اور فارسی شاعری کی ایک معروف اصطلاح ہے اور عشق، وجد، سرشاری، روحانی کیفیت اور تصوف کے کئی پہلو اس سے وابستہ ہوتے ہیں۔ شان الحق حقی خمریات کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

"خمریات: شاعری کی وہ روایت یا طرزِ بیان جس میں شراب اور اس وابستہ اشیاو
کیفیات کو علامتی یا حقیقی انداز میں برتا جائے۔"(۱)

کلاسیکی شعرا کے کلام میں **خمریات** (یعنی شراب، مئے، ساغر و سبو، مئے خانہ و میکدہ، ساقی، مستی و بے خودی، رندی و خرابات کے استعارے) ایک نہایت گہرا اور وسیع موضوع ہے۔ فارسی، اُردو اور عربی کلاسیکی ادب میں خمریات صرف شراب نوشی کا بیان نہیں بلکہ تصوف، جمالیات، انسانی تجربے، سیاسی و سماجی طنز، اور روحانی کیف کے اظہار کا استعارہ بھی ہے۔ اُردو شاعری اپنے کلاسیکی دور سے ہی کئی ایسے موضوعات کو اندر سموئے ہوئے ہیں جن کا باقاعدہ تذکرہ تو نہیں کیا گیا لیکن ان موضوعات کو شاعری کا حُسن تصور کیا جاتا ہے۔ اس میں عشق، مذہب، سماجی حالات اور درد و الم کے علاوہ خمریات ایک ایسا موضوع تھا جس کو ابتدا سے ہی شاعری کا حصہ بنایا گیا چونکہ اُردو شاعری فارسی کے اثرات نمایاں ہیں لہذا یہ موضوع فارسی سے اُردو کی طرف منتقل ہوا۔ فارسی شاعری کے سارے اسالیب، ہیت اور اصناف اُردو شاعری کی آغوش میں آگئے اور اس کے تمام موضوعات جن میں واردات عشق، اخلاقیات، تصوف، رندی و درویشی، حیات و کائنات کے مسائل اور خمریات بھی اس کے تصرف میں آگئے اور یوں اُردو شاعری کا رخ بدل گیا اور میرؔ، سوداؔ اور دردؔ جیسے شاعروں کے لیے راستہ صاف ہوتا گیا۔ خمریات شاعری کے کلاسیکی دور سے ہی اس کا حصہ رہا ہے۔ میرؔ و سوداؔ کا عہد ہو یا غالبؔ و مومنؔ کا عہد ہو ہر دور میں شاعری اپنے ساتھ نئے نئے موضوعات کو جنم دیتی رہی اور اُردو زبان کی طرح شاعری بھی اپنے اندر دوسری زبانوں کے الفاظ اور موضوعات کو گود لیتی رہی۔ عربی اور فارسی شاعری میں خمریات کا موضوع اُردو شاعری میں آگیا۔ شاعری میں خمریات کا موضوع عربی میں ابونواسؔ سے ہوتا ہوا فارسی میں حافظؔ و خیامؔ تک آیا اور بعد ازاں یہ اُردو شاعری کا مستقل حصہ بن گیا۔ فراق کے یہاں شراب کا تعلق حسنِ نسوانی، کیفِ ہستی سے ہے۔

اُردو شعرا کے کلام میں **خمریات** ایک نہایت اہم اور رنگا رنگ باب ہے۔ ہر شاعر نے "مئے، ساقی، میکدہ، رندی، مستی اور جام" کو اپنے جذبات، فلسفے، روحانیت اور معاشرتی تجربات کے اظہار کے لیے مختلف انداز میں استعمال کیا ہے۔ اُردو ادب کے ہر بڑے شاعر کے کلام میں چند ایسے اشعار ضرور پائے جاتے ہیں جو نہ صرف اُس کے اسلوب، فکر اور فنی جہت کی نمائندگی کرتے ہیں بلکہ ادبی روایت میں اس کی پہچان بھی بن جاتے ہیں۔ کسی محفل ادبی دیباچے یا کسی بھی ایسے ذریعے سے وہ مشہور زمانہ ہو جاتے ہیں۔ جو اس دور کی عین حقیقت کا بیان معلوم پڑھتے ہیں اور مقبولِ عام ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب ہم خمریات کے تناظر میں میر تقی میرؔ کی شاعری کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ میرؔ کے ہاں شراب اور مستی کا ذکر محض سطحی نہیں، بلکہ جذباتی، نفسیاتی اور روحانی کیفیتوں کا استعارہ بن کر سامنے آتا ہے۔ میر کی شاعری میں خمریات نہ صرف ایک روایتی استعاراتی نظام کا حصہ ہیں بلکہ ان کے داخلی کرب، روحانی کیفیت اور عاشقانہ تجربے کی تہہ داری کو بھی ظاہر کرتی ہیں۔ میر نے شراب، جام، ساغر، مئے اور مئے خانہ جیسے الفاظ کو محض رنگینیِ محفل کے لیے استعمال نہیں کیا بلکہ انھیں نفسیاتی، روحانی، اور جذباتی تجربوں کی علامت بنا دیا۔ ان کے کچھ اشعار اس پہلو کی بہترین ترجمانی کرتے ہیں،

جو نہ صرف مشہورِ زمانہ ہیں بلکہ میرؔ کی فکری دنیا اور داخلی کرب کا آئینہ بھی سمجھے جاتے ہیں۔ مختلف موضوعات پر لکھے گئے مختلف اشعار ان کی نمائندہ اشعار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ اسی تناظر میں خمریہ اصطلاحات کے حوالے سے میرؔ کا ایک نہایت اہم اور نمائندہ شعر یہ ہے۔

میرؔ　ان　نیم　باز　آنکھوں　میں
ساری　مستی　شراب　کی　سی　ہے(۲)

اس شعر کی نمائندگی کا پہلو یہ ہے کہ میرؔ نے یہاں مستی، شراب، اور نیم باز آنکھوں کی صورت میں تین علامتی جہتوں کو یکجا کیا ہے۔ یعنی عشق کی کیفیت، جذبات کا نشہ، اور وہ بے خودی جس میں حقیقت و خواب ایک ساتھ مل جاتے ہیں۔ یہ مستی شراب کی نہیں بلکہ عشق کی پیدا کردہ روحانی اور نفسیاتی کیفیت ہے، جو میر کی شاعری کی داخلی تجرباتی دنیا کو نمایاں کرتی ہے۔ خمریات کے اس استعاراتی استعمال کے ذریعے میرؔ انسان کے جذباتی انتشار، دل کی شوریدگی اور اُس کرب انگیز عشق کا بیان کرتے ہیں جو ان کی شاعری کی بنیاد ہے جو معنویت کے اعتبار سے بھی منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس طرح یہ شعر میرؔ کی خمریہ شاعری کی اصل روح اور ان کی فکری گہرائی کی نمائندگی کرتا ہے، اور اسی لیے ادبی طور پر ان کے اہم ترین خمریاتی اشعار میں شمار کیا جاتا ہے۔

ذوقِ سخن میں غالبؔ کی شخصیت ایک ایسی ہمہ جہت اور تہہ دار شخصیت ہے جس نے اُردو شاعری کو فکری گہرائی کی تہداری، فلسفیانہ نزاکت، اور داخلی کشمکش کے انوکھے رنگ اور وضوعات کی وسعت عطا کی۔ ان کے ہاں خمریات شراب نوشی کی سطحی علامت ہی نہیں بلکہ فکر، جستجو، آزاد روی، اور روحانی شورش کی علامت ہے۔ صوفیانہ مباحث، عقل و جنوں کی کشمکش، اور خود شناسی کی پیچیدگی اُن کے مضامین میں بارہا ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے بعض اشعار، جو خمریہ اصطلاحات کے ساتھ ساتھ فکری سطح پر بھی غیر معمولی وسعت رکھتے ہیں، غالبؔ کی فنی اور فکری نمائندگی کرتے ہیں۔ انہی نمائندہ اشعار میں وہ شعر شامل ہے جس میں غالبؔ نے تصوف، اور شراب کے استعارے کو ایک ہی پیکر میں سمیٹ کر اپنے مزاجِ سخن اور فکری بے باکی کو بے مثال انداز میں پیش کیا ہے۔

یہ　مسائلِ　تصوف،　یہ　تیرا　بیان　غالبؔ
تجھے　ہم　ولی　سمجھتے　جو　نہ　بادہ　خوار　ہوتا(۳)

اس شعر کی نمائندہ حیثیت بنیادی طور پر اس شعر کی معنویت، ساخت اور فکری تہہ داری کی وجہ سے ہے۔ غالبؔ نے ایک ہی مصرعے میں تصوف کی گہرائی، اپنی فکری بالیدگی، اور بادہ خواری کے استعارے کے ذریعے اپنے اندر کے تضاد اور تکمیل دونوں کو آشکار کیا ہے۔ "مسائلِ تصوف" ان کی فکری رسائی اور معنوی باریکی کو ظاہر کرتا ہے، جب کہ "بادہ خوار" ہونا ان کی آزادانہ طبع اور حدود سے بے نیازی کا علامتی اظہار ہے۔ اس شعر کی ساخت میں ایک لطیف طنز، ایک فکری احتجاج، اور ایک تہہ بہ تہہ معنوی گہرائی موجود ہے جو غالبؔ کی پوری شاعری کی نمائندگی کرتی ہے۔ طنز کا رخ وہ اپنی طرف موڑتے نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ شعر نہ صرف خمریاتی اصطلاحات کے استعمال کے اعتبار سے اہم ہے، بلکہ غالبؔ کے اسلوب، فکری جہت، روحانی اضطراب اور خود آگاہی کی پیچیدگی کی مکمل تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ مزید ایک نمائندہ شعر ملاحظہ کیجئے

قرض　کی　پیتے　تھے　مئے،　لیکن　سمجھتے　تھے　کہ　ہاں
رنگ　لائے　گی　ہماری　فاقہ　مستی　ایک　دن(۴)

یہ شعر غالبؔ کی ذاتی زندگی کے حقیقی پس منظر غربت، تنگ دستی، معاشی دباؤ کو ایک فلسفیانہ طنز اور شاعرانہ وقار میں بدل دیتا ہے۔ یعنی سراسر ذاتی زندگی کا عکاس معلوم ہوتا ہے یہاں "قرض کی مئے" صرف شراب نہیں بلکہ اس پورے نظام پر طنز ہے جس میں شاعر اپنی ذہنی، فکری اور تخلیقی عظمت کے باوجود معاشی مشکلات کا شکار ہے۔ "فاقہ مستی" ایک نہایت گہرا استعاراتی امتزاج ہے۔ یوں شاعر اعلان کرتا ہے کہ اس کی روحانی و فکری پرواز ایک دن اپنی قدر منوائے گی، چاہے اس وقت وہ محرومیوں کے بوجھ تلے ہو۔ اس شعر کی نمائندگی کا پہلو یہی ہے کہ غالبؔ نے خمریات کو معاشی کرب، خود اعتمادی، مستقل مزاجی، اور انسان کی داخلی سرکشی کے ساتھ یوں جوڑ دیا کہ بیان بھی لطیف رہے اور حقیقت بھی کھل کر سامنے آئے۔ اسی لیے یہ شعر غالبؔ کی خمریاتی شاعری کی اُس بلند سطح کا نمائندہ ہے جس میں شراب خارجی حقیقت سے زیادہ باطنی تجربے، طنز اور فلسفیانہ وقار کا استعارہ بن جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ شعر کی ساخت اور الفاظ کا چناؤ سیدھا دل میں اتر جانے کا راستہ ڈھونڈ لیتا ہے۔

اکبرؔ الہ آبادی کی شاعری میں خمریات کا استعمال کلاسیکی معنوں میں شراب، مئے کدہ یا بادہ نوشی کے تجربے کی نمائندگی نہیں کرتا، بلکہ طنز، سماجی اصلاح، فکری بیداری اور معاشرتی تضادات کو بے نقاب کرنے کا ایک بہت مؤثر اسلوب بن جاتا ہے۔ اکبرؔ اپنی پوری شعری روایت میں مذہبی رہنماؤں، نام نہاد اصلاح پسندوں، مغربیت کے اندھے تقلید کاروں اور معاشرتی خامیوں پر ضرب کاری لگاتے ہیں۔ ان کے ہاں شراب کا ذکر حقیقی نہیں بلکہ استعارہ، طنز اور معاشرتی شعور کی علامت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ اسی لیے ان کا وہ شعر جس میں مئے نوشی کو سماجی رویوں کے مقابل رکھ کر پیش کیا گیا ہے نہ صرف اکبرؔ کی فکری سمت بلکہ ان کے طنزیہ نظامِ فکر کی بہترین نمائندگی بھی کرتا ہے۔

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی
ملا کی دوڑ مسجد، اکبرؔ کی دوڑ بھٹی (۵)

اس شعر کی مقبولیت اور نمائندہ حیثیت اس بات میں مضمر ہے کہ اکبرؔ نے یہاں معاشرت کے دو الگ الگ طبقوں کی ذہنی کیفیات، ترجیحات اور طرزِ حیات کو محض دو مصرعوں میں سادگی، مگر طنزیہ قوت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ اکبرؔ کی نظر میں بھٹی اور مسجد دو علامتیں ہیں مسجد روایت اور مذہبی لکیروں کے محافظ طبقے کی علامت، جب کہ بھٹی اس دنیا کا استعارہ ہے جہاں انسان اپنے دکھ، تھکن اور محرومیوں سے فرار تلاش کرتا ہے۔ شعر کی معنویت یہ ہے کہ معاشرہ بظاہر مذہبی تضادات سے بھرا ہوا ہے، اور شاعر اس دوڑ کو ایک طنزیہ توازن میں پیش کرتا ہے۔ یہی بے ساختگی، حقیقت نگاری اور طنز کی تیزی اس شعر کو اکبرؔ کی خمریاتی اور سماجی شاعری کا نمائندہ بناتی ہے، اور اسی وجہ سے یہ شعر آج تک عوامی سطح پر بھی بے حد مقبول اور ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔

ریاضؔ خیر آبادی کی شاعری کا بنیادی رنگ رومان، سادگی، جذبات اور نرم تہذیبی احساسات پر مشتمل ہے، لیکن ان کے ہاں خمریات کا استعمال صرف شراب نوشی کا ذکر نہیں بلکہ محرومی، حسرت، یک طرفہ کیفیت اور انسانی جذبات کی ناآسودگی کا ایک لطیف اور موثر استعارہ ہے۔ ریاضؔ کے اشعار میں خمریہ عناصر ایک طرح کی نرمی، تہذیبی رکھ رکھاؤ اور دلی جھجک کے ساتھ آتے ہیں۔ ان کا اندازِ بیان نہ غالبؔ جیسا فلسفیانہ ہے، نہ اکبرؔ جیسا طنزیہ، بلکہ ایک سادہ، دل نشین اور رقیق لب و لہجہ ہے جس میں جذبات اپنی پوری شفافیت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے ان کا ایک معروف خمریہ شعر، جو انسانی محرومی اور معاشرتی بے حسی دونوں کا نقشہ کھینچتا ہے، ان کی نمائندہ شاعری میں خاص مقام رکھتا ہے۔

بھر بھر کے جام بزم میں چھلکائے جاتے ہیں
ہم ان میں ہیں جو دور سے ترسائے جاتے ہیں(۶)

اس شعر کی مقبولیت اور نمائندہ حیثیت اس کی سادگی میں پوشیدہ گہرائی، دردمندی اور انسانی تجربے کی عمومیت کے باعث ہے۔ شاعر نے دو مصرعوں میں معاشرتی ناہمواری، محرومی اور دل کے دکھ کو یوں بیان کیا ہے کہ ہر طبقہ، ہر حساس دل انسان، اور ہر زمانے کا قاری خود کو اس کیفیت میں دیکھ سکتا ہے۔ 'بھر بھر کے جام" اُن لوگوں کی علامت ہیں جنھیں دنیا کی نعمتیں بے حساب ملتی ہیں، جب کہ "دور سے ترسائے جاتے ہیں" اُن محروم طبقوں کا استعارہ ہے جو زندگی کی مسرتوں کو دیکھتے تو ہیں مگر حاصل نہیں کر پاتے۔ اس شعر میں خمریہ اصطلاحات ایک ذہنی اور جذباتی محرومی کا پیکر بن کر سامنے آتی ہیں، جس کی بنا پر یہ شعر عوامی سطح پر بھی بے حد قبولیت رکھتا ہے اور ادبی سطح پر بھی ریاض خیر آبادی کے اسلوب اور داخلی کرب کی بہترین نمائندگی کرتا ہے۔ جگرؔ مرادآبادی کی شاعری میں خمریات ایک روایتی مضمون ہی نہیں بلکہ جذباتی شدت، داخلی اضطراب، اور زندگی سے ٹکرانے والے حوصلے کا ایک دلکش علامتی جہان ہے۔ جگر کے ہاں مئے نوشی کا تصور رومان اور لذت تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک روحانی طوفان، جذباتی سیلاب اور زندہ رہنے کی جدوجہد کے طور پر سامنے آتا ہے۔ ان کی افتادِ طبع، زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنے کا انداز اور غم کو خوش مذاقی میں ڈھالنے کی خداداد صلاحیت، سب مل کر ان کی خمریاتی شاعری کو ایک منفرد وجود عطا کرتے ہیں۔ جگرؔ کے اشعار میں مئے کدہ انسان کی داخلی دنیا کا نقشہ بن جاتا ہے اور شراب زندگی کے دکھوں کو سہنے کی علامت میں بدل جاتی ہے۔ اسی لیے ان کا ایک مخصوص شعر ان کے پورے خمریاتی اسلوب اور حسی شدت کی مکمل ترجمانی کرتا ہے۔

پہلے شرابِ زیست تھی، اب زیست ہے شراب
کوئی پلا رہا ہے، پیئے جا رہا ہوں میں(۷)

اس شعر کی مقبولِ عام حیثیت کی بنیادی وجہ اس کی تہہ دار معنویت، زبان کی دلکشی، اور جذباتی سادگی میں پوشیدہ گہرائی ہے۔ جگرؔ نے ایک نہایت سادہ ترکیب کے ذریعے زندگی کے بھرپور مگر تلخ تجربے کو مکمل فنی مہارت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ "شرابِ زیست" زندگی کا وہ پہلو ہے۔ جس میں وقتاً فوقتاً لذت، امید اور رغبت شامل ہوتی ہے، لیکن "زیست ہے شراب" میں زندگی پوری کی پوری ایک مسلسل کرب، چکر اور بے خودی میں بدل جاتی ہے۔ اس تبدیلی میں وہ وجودی دکھ، بے موجبی اور داخلی تھکن جھلکتی ہے جو عام انسان بھی محسوس کرتا ہے۔ "کوئی پلا رہا ہے" ایک غیر مرئی قوت مقدر، حالات یا خود زندگی کا استعارہ ہے، اور "پیئے جا رہا ہوں میں" انسان کی بے بسی اور قبولیت دونوں کی تصویر۔ یوں یہ شعر جگرؔ کے خمریاتی نظامِ فکر کی جامع ترین نمائندگی کرتا ہے، جہاں شراب محض مشروب نہیں بلکہ جینے کی جدوجہد، دل کے زخم، اور زندگی کے تھپیڑوں کو ہنسی میں لینے کی جگرائی ادا بن جاتی ہے۔ یہی حسن، سادگی، تاثیر اور علامتی گہرائی اس شعر کو جگر کے نمایاں ترین خمریاتی اشعار میں سرِ فہرست رکھتی ہے۔

ہر بڑے شاعر کے ہاں کچھ اشعار ایسے ضرور ہوتے ہیں جو نہ صرف اس کی فکری سمت کو واضح کرتے ہیں بلکہ اس کے پورے شعری نظام کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ اقبالؔ کی شاعری چونکہ بنیادی طور پر فکری بیداری، خودی، عمل، حریتِ فکر اور روحانی ارتقاء کے موضوعات پر قائم ہے، اس لیے ان کے خمریاتی اشعار بھی روایتی مئے نوشی کے بجائے معنوی سرشاری، روحانی قوت، تہذیبی بیداری اور فکری احتجاج کے استعارے بن کر سامنے آتے ہیں۔ اقبالؔ نے خمریہ اصطلاحات کو حقیقی شراب کے معنی میں کبھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ان کے ہاں مئے، میخانہ، ساقی، سرور، رعنائی اور ساغر سب کے سب فکر کی تازگی، تہذیبی جمود کے خلاف بغاوت، اور

روحانی ولولے کے اشارے ہیں۔ اسی لیے ان کے چند اشعار اپنی معنویت، علامتی قوت اور فکری وسعت کی بنا پر اقبال کی خمریاتی شاعری کے نمائندہ اشعار کہلائے جاسکتے ہیں۔ انہی میں سے یہ دو اشعار نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

کس کو معلوم ہے ہنگامہ، فردا کا مقام
مسجد و مکتب و مئے خانہ ہیں مدت سے خموش(۸)

نشہ پلا کے گرانا تو سبھی کو آتا ہے
مزا تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی(۹)

ان اشعار کی مقبولیت اور نمائندہ حیثیت کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اقبالؔ نے یہاں خمریہ اصطلاحات کو علامتی انداز میں استعمال کرتے ہوئے تہذیبی، اخلاقی اور روحانی مسائل کو ایک نئے زاویے سے پیش کیا ہے۔ "ساقی" کسی شخصیت یا مشروب کا نہیں بلکہ قوتِ حیات، ہمت بخشنے والی قوت، رہنمائی کرنے والی فکر کا استعارہ ہے۔ نشہ پلا کر گرا دینا یعنی وقتی جوش دینا۔ لیکن اصلی عظمت تو اس "ساقی" کی ہے جو گرتوں کو تھام لے، یعنی انسان کو راہِ عمل، استقامت اور اخلاقی بلندی عطا کرے۔ یہ استعاراتی انداز خمریات کی پوری روایت کو اقبال کے فکر کے مطابق اخلاقی، روحانی اور انقلابی ابعاد عطا کرتا ہے۔ یہی تہہ داری، علامتی قوت، موثر طرزِ بیان اور فکری پختگی ان دونوں اشعار کو اقبالؔ کی خمریہ شاعری کا نمایاں اور مقبول ترین حصہ بناتی ہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؔ کی شاعری میں ساقی نامہ ایک نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ نظم بنیادی طور پر روحانی و فلسفیانہ خمریہ شاعری کی روایت پر مبنی ہے، جس میں عشقِ حقیقی، خودی، اور معرفت کے موضوعات کو شراب یا روحانی مشروب کے تمثیل کے ذریعے بیان کیا گیا ہے۔ اس نظم نے اقبالؔ کو نہ صرف اُردو شاعری میں بلکہ فلسفۂ کائنات کے تناظر میں بھی ممتاز مقام عطا کیا۔ اس دور میں ساقی نامہ کو بڑے پیمانے پر شہرت حاصل ہوئی کیونکہ یہ محض ایک رومانی یا شرابی نظم نہیں بلکہ انسانی فکر، خودی کی بیداری، اور روحانی سرور کو شعوری انداز میں پیش کرتی ہے۔ اقبالؔ نے اس نظم میں خمریہ شاعری کی علامتی زبان کے ذریعے فلسفیانہ اور اخلاقی پیغامات کو عام قارئین تک پہنچایا، اور اسی وجہ سے یہ نظم اس دور کے علمی و ادبی حلقوں میں بہت زیادہ مقبول ہوئی۔ اس نظم سے تین نمایاں اشعار درج ذیل ہیں

وہ مئے جس سے روشن ضمیرِ حیات
وہ مئے جس سے ہے مستیِ کائنات(۱۰)

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر
اسی سے فقیری میں ہُوں مَیں امیر(۱۱)

پِلا دے مجھے وہ مئے پردہ سوز
کہ آتی نہیں فصلِ گُل روز روز(۱۲)

اقبالؔ کے یہ اشعار مجموعی طور پر انسانی روح، فکر اور معرفت کی بیداری کی ایک جامع تصویر پیش کرتے ہیں۔ ساقی نامہ میں جو خمریہ شاعری کا رنگ اور تمثیلی زبان استعمال ہوئی ہے، اس میں مئے، ساقی اور پردہ سوز مشروب کی علامتیں محض جسمانی شراب کے لیے نہیں بلکہ روحانی سرور، عشقِ حقیقی، اور خودی کی تقویت کے لیے ہیں۔ اقبالؔ کے نزدیک حقیقی مستی وہ ہے جو انسان کو اندرونی شعور اور فکر کی روشنی عطا کرے، جو ضمیرِ انسانی کو روشن کرے اور کائنات کے اسرار سے رابطہ قائم کرے۔ اشعار کا مجموعی تاثر یہ ہے کہ جب انسان اپنے دل و دماغ کو معرفت، عشق اور روحانی جذبے کے ساتھ کھولتا ہے تو ہر لمحہ اس کے لیے تازگی، سرور اور بصیرت لے کر آتا ہے۔ اسی کے ذریعے فقیر بھی باطن میں امیر بن سکتا ہے، اور مادی دنیا کی کمی یا ظاہری غربت کے باوجود حقیقی دولت یعنی روحانی اور فکری ترقی حاصل کر سکتا ہے۔ پردہ سوز مئے کی تصویر انسانی معرفت کی آگ کی سی علامت ہے جو انسان کو ہر روز نئی بصیرت عطا کرتی ہے اور اس کی خودی کو بیدار کرتی ہے۔

یہ اشعار واضح کرتے ہیں کہ اقبالؔ کی خمریہ شاعری صرف سماجی یا مادی مستی کی تشہیر نہیں بلکہ ایک عمیق فلسفیانہ اور روحانی پیغام ہے۔ یہ قاری کو یہ باور کراتی ہے کہ خوشی، سرور اور ترقی کے حقیقی ذرائع جسمانی یا بیرونی نہیں۔ بلکہ انسان کے باطن، فکر اور عشقِ حقیقی میں پوشیدہ ہیں۔ ساقی نامہ اسی فلسفہ کو شعوری اور ادبی انداز میں پیش کرتا ہے، جس نے اقبالؔ کو نہ صرف اُردو شاعری میں ممتاز مقام دیا بلکہ اس دور میں ایک فکری رہنما اور روحانی رہنمائی کے طور پر بھی مستحکم شہرت عطا کی۔ اس نظم کی مقبولیت کا راز یہی ہے کہ یہ انسانی روحانی ضرورت، فکری تنقید اور معرفت کی طلب کو ایک ساتھ پیش کرتی ہے، اور اس کی خمریہ علامتی زبان نے اسے عام قارئین کے لیے بھی دلچسپ اور متاثر کن بنا دیا۔ اصغرؔ گونڈوی کی شاعری کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انھوں نے پیچیدہ احساسات اور گہری کیفیات کو نہایت سادہ، رواں اور دل سے نکلے ہوئے انداز میں بیان کیا ہے۔ ان کے ہاں خمریات کا ذکر مبالغے یا تصنع کے ساتھ نہیں آتا بلکہ روحانی تجربے، جمالیاتی کشش اور زندگی کی لطافت کے احساس کے ساتھ اُبھرتا ہے۔ اصغرؔ کے نزدیک مئے خانہ صرف نشے کی جگہ نہیں ہے بلکہ باطنی انکشاف، حسنِ کائنات سے رابطہ، اور انسان کے اندر موجود روشنی تک رسائی کا استعارہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے خمریاتی اشعار میں ایک خاص طرح کی پاکیزگی، نرمی اور گہری معنویت محسوس ہوتی ہے، جو انھیں اُردو کے دیگر شعرا سے منفرد بنا دیتی ہے۔

ایک ایسی بھی تجلّی آج مئے خانے میں ہے
لطف پینے میں نہیں ہے بلکہ کھو جانے میں ہے(۱۳)

اصغرؔ غزل میں چاہیے وہ موجِ زندگی
جو حسن ہے بتوں میں، جو مستی شراب میں(۱۴)

ان دونوں اشعار کی نمائندہ حیثیت اس لیے مسلم ہے کہ یہ اصغرؔ گونڈوی کے فکری اور جذباتی رجحانات کو پوری طرح بیان کرتے ہیں۔ پہلے شعر میں خمریات ظاہری لذت کے بجائے باطنی گم ہو جانے کے تجربے کی علامت بن جاتی ہے، یعنی اصل لطف خود کو فراموش کرنے، وجود سے بالاتر ہونے اور جمالیاتی سرشاری محسوس کرنے میں ہے۔ دوسرے شعر میں اصغرؔ نے وضاحت کی ہے کہ شعر میں وہی زندگی کی روانی ہونی چاہیے جو بتوں کے حسن اور شراب کی مستی میں پائی جاتی ہے یعنی دلکشی، نرم سی بے خودی، اور تاثیر۔ یہی دو عناصر ان کی شاعری کی بنیاد ہیں۔ حسن کا احترام اور احساس کی شدت۔ ان اشعار کی مقبولیت کی وجہ بھی یہی ہے کہ

اصغرؔ نے خمریہ اصطلاحات کو نہ سخت فلسفے میں بدلا اور نہ محض ذائقے کا ذکر بنایا، بلکہ انھیں جمال، نورانیت اور انسانی احساس کے فطری بہاؤ کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا۔ یہی سادگی، یہی گہرائی اور یہی دلکشی انھیں اصغر گونڈوی کی خمریاتی شاعری کے بہترین اور نمائندہ اشعار بناتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شان الحق حقی، اُردو کی ادبی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء، ص:۳۴

۲۔ میر تقی میرؔ، کلیاتِ میر، منشی نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۴۱ء، ص:۵۷

۳۔ اسد اللہ خان غالب، مرزا، اُردو کلیاتِ غالب، شمس الرحمٰن فاروقی، ۱۹۹۳ء، ص:۴۴

۴۔ اسد اللہ خان غالبؔ، مرزا، نوائے سروش، مرتب: مولانا غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۶۹ء، ص:۲۹۵

۵۔ اکبر الٰہ آبادی، کلیات اکبر، حصہ سوم، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، سن ن، ص:۱۵۱

۶۔ ریاض خیر آبادی، کلیات ریاض خیر آبادی، مرتب: ڈاکٹر خلیل اللہ خاں، اُردو پبلشرز، لکھنؤ، ۱۹۷۴ء، ص:۴۷۱

۷۔ جگر مراد آبادی، کلیات جگر، مرتب نواز چودھری، مکتبہ شعر و ادب، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۱۷

۸۔ محمد اقبال، علامہ، کلیات اقبال، خزینہ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص:۴۱۸

۹۔ ایضاً، ص:۲۵۴

۱۰۔ ایضاً، ص:۴۶۴

۱۱۔ ایضاً، ص:۴۶۶

۱۲۔ ایضاً، ص:۴۶۷

۱۳۔ اصغر گونڈوی، کلیات اصغر گونڈوی، شہزاد پرنٹرز، لاہور، ۲۰۱۰ء، ص:۱۶۴

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۴۸

References in Roman Script:

1. Shan-ul-Haq Haqi, Urdu Ki Adabi Istilahat, Muqtadra Qaumi Zaban, Islamabad, 1996, p :34
2. Mir Taqi Mir, Kulliyat-e-Mir, Munshi Nawal Kishore, Lucknow, 1941, p:57
3. Mirza Asadullah Khan Ghalib, Urdu Kulliyat-e-Ghalib, Shams-ur-Rehman Faruqi, 1993, p :44
4. Mirza Asadullah Khan Ghalib, Nawa-e-Surosh, Murattib: Maulana Ghulam Rasool Mehr, Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1969, p :295
5. Akbar Allahabadi, Kulliyat-e-Akbar, Hissa Soom, Maktaba Sher-o-Adab, Lahore, n.d., p :151
6. Riaz Khairabadi, Kulliyat-e-Riaz Khairabadi, Murattib: Dr. Khalilullah Khan, Urdu Publishers, Lucknow, 1974, p: 471

7. Jigar Muradabadi, Kulliyat-e-Jigar, Murattib: Nawaz Chaudhry, Maktaba Sher-o-Adab, Lahore, 2014, p: 71
8. Allama Muhammad Iqbal, Kulliyat-e-Iqbal, Khazina Ilm-o-Adab, Lahore, 2002, p: 418
9. Ibid, p :254
10. Ibid, p: 464
11. Ibid, p: 466
12. Ibid, p: 467
13. Asghar Gondvi, Kulliyat-e-Asghar Gondvi, Shehzad Printers, Lahore, 2010, p. 164.
14. Ibid., p :148